© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ان سطور کے لکھنے کا آغاز ۲۳ مارچ کے مبارک دن کو کیا۔

۲۳ مارچ کو ہماری زندگی میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی تاریخ تھی جب ۱۹۴۰ء میں بمقام لاہور قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ پھر اسی تاریخ کو پاکستان کا پہلا دستور (۱۹۵۶ء) نافذ ہوا۔ اور اب یہی تاریخ ہے جب پورے اٹھائیس برس اسکندر مرزا کا مختصر دور، ایوبی مارشل لا، یحییٰ خاں کا مارشل لا، بھٹو کے زمانے کا "عوامی مارشل لا" اور اذیت ناک "جمہوری آمریت") کے بعد بحالیٔ جمہوریت کی اسکیم کا نہایت اہم مرحلہ طے ہوا، یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے اسلام کے ابھار اور غلبے کے ساتھ پاکستان کے استحکام و ترقی کا نیا دور شروع کرے، وہ صدر مملکت، وزیراعظم، کابینہ، سپیکر، ڈپٹی سپیکر، سینیٹ کے صدر، جملہ نمائندگانِ جمہور اور علماء و عوام کو خواتین سمیت اپنے فرائض خدا و رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق دیانت و عدل اور خلوص و بے لوثی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ یہ رحم بھی فرمائے کہ موجودہ بحرانی حالات میں گھرے ہوئے پاکستان کی پارلیمانی فضا ہر قسم کے ناروا جوڑ توڑ، عالمِ بالا کی سازشوں، مفاد پرستیوں اور افراد، پارٹیوں، خاندانوں، علاقوں اور رہبود کرسی کی تخریبی کشاکشوں، تیز پسِ پردہ ہر قسم کی غیر ملکی دخل اندازیوں سے محفوظ و مامون رہے۔ نمائندہ حکومت اور نمائندہ ایوان دونوں مل کر اختلافات واقع ہونے کے باوجود اتحاد و اعتماد کی فضا میں کام کریں اور پاکستان کے شہری بھی وحدت و اخوت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیانِ مرصوص ثابت ہوں۔

انتخابات ۱۹۸۵ء میں تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں نے کیا پارٹ کیا اور جواب میں تحریک اسلامی کو کیا ملا، اس پر اجمالی اظہارِ حقائق سے قبل ایک تمہیدی گذارش ضروری ہے۔

ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دورِ ماسبق کی ملوکی ریاستوں یا باقاعدہ سیاسی نظام کے بغیر چلنے والے قبائلی معاشروں کے بالمقابل آج کے سیاسی طور پر منظم معاشروں اور اچھی طرح تسلط یافتہ حکومتوں میں بڑا فرق ہے۔ آج کے حالات میں کسی نظریہ و عقیدہ کے تحت تبدیلی لانے والوں کو اگر جمہوری نظام میں کام کرنے کا موقع ملے تو انتخابات تبدیلی لانے کا ذریعہ بھی ہو سکتے ہیں اور اس میں معاون بھی ہو سکتے ہیں۔ انتخابات عوام اور ووٹروں کے حلقوں میں بھی اور پارلیمانی دائرے میں بھی مختلف نظریات و مقاصد کے لیے اچھا میدانِ دعوت بھی اور حرکت افزا میدانِ کشمکش بھی فراہم کرتے ہیں۔ انتخابات اہلِ دعوت کے لیے شہریوں سے بالمشافہ ربط پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ بھی ہیں۔

اسلامی دعوت کے علمبرداروں کو انتخابی میدان میں یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ملک کی آبادی کو یہ تعلیم دے سکیں کہ اسلام کا سیاسی نظام کیا ہے؟ ایک مسلم معاشرہ میں کیسی حکومت ہونی چاہیے؟ اہم دینی اور ملکی مسائل کیا ہیں؟ نیابت کا صحیح معیار کیا ہے؟ اور ووٹر کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟ یہ درست کہ انتخابات کے پُرہنگامہ دور میں یہ دعوت مجمل اور سرسری ہوتی ہے، مگر غیر مؤثر ہرگز نہیں۔ پچھلے انتخابی تجربوں کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو ایسے ووٹروں کا عددی تناسب تواتر سے بڑھ رہا ہے جن کے ذہن اسلامی اصول و معیارات سے متاثر ہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے سے دعوت و اشاعتِ دین کا جو گہرا اور وسیع کام ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً دروسِ قرآن، اجتماعات، جلسہ ہائے عام، بیانات، پوسٹر اور ہینڈ بل اور ذاتی رابطے اور گفتگوئیں — ان سب کا اثر موجود ہوتا ہے، مگر اس طرح کے پھیلے ہوئے اثرات کو سمیٹ کر واضح اور متعین صورت میں سامنے لانے کا موقع انتخابات ہی میں ملتا ہے۔ اور خود انتخابی کام ان اثرات کو گہرا کرنے اور آگے بڑھانے میں بہت اثر ڈالتا ہے۔

ہمارا اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ انتخابی ماحول میں کسی خاص صورتِ حالات کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہنوں پر اثر انداز ہونے والے سیاسی و اقتصادی اور تہذیبی و اخلاقی مسائل کے حوالے سے دینی اصول و اقدار کے لیے نتیجہ خیز کام کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کام مجرد علمی مقالوں یا وعظوں سے سرانجام نہیں پا سکتا۔ اگرچہ یہ چیزیں دعوت کی مجموعی اسکیم میں اپنی جگہ ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں متاثر ہونے والے عوام کو ان کی جگہ پر جامد چھوڑ دینے کے بجائے، چونکہ انھیں اپنے ساتھ کشمکش میں شریک کر لیا جاتا ہے، اس لیے نہ صرف یہ کہ وہ ایک متعین حلقے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آگے کے ملیے مجاہدے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والے صحیح شہدائے حق اگر انتخابی میدان میں موجود ہوں تو وہ آہستہ آہستہ عوام کی ایسی تربیت کر سکتے ہیں کہ وہ برادری، علاقے، طبقے، قریب کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور ذاتی و گروہی مفاد پرستی کو چھوڑ کر اسلامی نظریہ قیادت کو قبول کر لیں[1]۔

اس ساری مہم کو چلانے کے لیے بس ایک ایسے منظم گروہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے

---

[1] انتخابی طریق کار کے متعلق ہمارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ مطلوبہ انقلاب اپنی مکمل صورت میں لازماً پارلیمانی طریقے سے نمودار ہو سکتا ہے، بلکہ ہم بخوشی کسی معترض کے کہنے سے پہلے اعتراف کرتے ہیں کہ صدارتی یا پارلیمانی کسی بھی جمہوری نظام اور اس کے تحت ہونے والے انتخابات میں مخالف تخریبی رجحانات کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اور ٹکراؤ کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ پس یہ دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا کہ مجرد انتخابی عمل اور پارلیمانی نظام میں حصہ لینے کے نتیجے میں گوہرِ مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔ ہماری رائے صرف یہ ہے کہ اس راستے سے دعوتِ اقامتِ دین کو پھیلانے اور اسلامی انقلاب کے لیے فضا کو سازگار کرنے کے لیے واضح مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ فضا جب اچھی طرح سازگار ہو جاتی ہے تو پھر رائے عام کے دباؤ سے آگے بڑھنے والا انقلابی عمل کا ریلا وقتی رکاوٹوں کو توڑ کر اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ بڑی سے بڑی جمہوریت پسند تحریک کو بھی دوڑ لگاتے ہوئے کسی آخری مرحلے پہ بند پھاٹک کو عبور کرنے کے لیے کوئی بڑی جست لگانی پڑ سکتی ہے۔ اس مرحلے کے متعلق سوچنا آج ہمارا کام نہیں، ہم تو جمہوری و آئینی راستے ہی سے آگے بڑھیں گے۔ ہمارا ابتدائی کام جب تکمیل کو پہنچے گا تو اس وقت وہ کام اپنا رہنما خود ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام افراد ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہوں اور اپنے موقف پر استقامت سے قائم رہیں۔

متذکرہ تمہیدی بات کا اب ذرا دوسرا پہلو!

اس معاملے میں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں، اُن مخلص افراد یا گروہوں سے، جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اصل چیز افراد کی اصلاح ہے، رہا اسلامی نظام کا قیام، سو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ انعام ہوتا ہے۔ اسی نظریے کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ پہلے معاشرہ تیار ہو لے، پھر اسلامی نظامِ اجتماعی کے قیام اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں سے دلچسپی لینے کا وقت آسکتا ہے۔ بغیر کسی منافرت و تصادم کے، ہماری رائے یہ ہے کہ زندگی کے چلتے ہوئے کاموں سے منقطع رہ کر ان کاموں کی اصلاح نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً یہ سوچنا کہ اس وقت تک کاروبار شروع نہیں کیا جاسکتا جب تک پوری مارکیٹ بدعنوانیوں سے پاک نہیں ہو جاتی۔ آخر لوگوں کے کاروبار کو قریب سے جانے سمجھے اور ان کے مسائل کا براہِ راست تجربہ و مشاہدہ کیے بغیر ان کی صحیح رہنمائی کرنا اور اصلاح کے خطوط ان کے سامنے واضح کرنا کیسے ممکن ہے۔ اللہ کا جو بھی نیک بندہ کاروبارِ دنیا سے کٹ کر کلمہ، نماز، ورد، وظیفہ، بیعت، وعظ، افتاء اور درس کے اچھے اچھے مشغلوں میں مصروف رہتا ہے، کیا وہ اپنے کام پر اتنا اعتماد رکھتا ہے کہ طلبِ دولت اور حُبِ منافعِ کثیر کی مسابقت کے شدید دباؤ میں آئے ہوئے بے شمار کاروباریوں کو ان کی کشمکش میں وہ اتنی مؤثر مدد دے سکے گا کہ وہ لوگ بدعنوانیوں کی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اس نیک جہاد میں وہ ہر نقصان خوشی سے برداشت کرلیں۔ عموماً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بیعتیں بھی ہوتی ہیں، ذکر اذکار بھی چلتے ہیں، تہجد بھی پڑھے جاتے ہیں، تبلیغی دورے بھی جاری رہتے ہیں، مگر کاروبار کو اسمگلنگ[1]، سود، سٹے، ذخیرہ گری، چور بازاری، بیجا نفع اندوزی، ملاوٹ، مغالطہ دہی، غلط ناپ تول[2]، وعدہ خلافی، حصہ داروں کی باہمی خیانت، بعض متعلقہ

---

[1] اب تو اسمگلنگ کا انداز یہ ہے کہ غیر ملکی اشیاء سرکاری ڈیوٹیوں کی ادائیگی کے بغیر کھلے بازاروں شہر بہ شہر فروخت ہوتی ہیں۔

[2] غلط ناپ تول کی بیسیوں شکلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کاغذ کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرکاری کارندوں کو رشوت دہی، جعلی حساب کی تیاری، انڈر انوائسنگ، پاکستان اور ہانگ کانگ اور سنگاپور کی بنی ہوئی چیزوں پر ساختہ جاپان کی مہر کی چھاپ — غرضیکہ خرابیوں کا ایک ایسا طوفان ہے کہ لوگ غوطے کھاتے ہوئے اس میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ کنارے سے اس طوفان میں غوطے کھانے والوں کی ہلاشیری کرنے والے نیک آدمی کو سوچنا چاہیے کہ کیا اس کی کوششیں اس صورت میں زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوں گی جب کہ وہ خود بھی طوفان کے اندر اس کی موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے دھارے کے خلاف تیرنے کا جہاد کر رہا ہوتا اور دوسرے طوفان زدگان کو بھی اپنے استدلال اور اپنی مثال سے اس کی دعوت دے رہا ہوتا۔

معاشرے کے اندر لادینیت، بدعنوانی، مفاد پرستی اور بے حیائی کے طوفان کا زور مسلسل بڑھ رہا ہے اور طوفان کی موجیں اس کا انتظار کرنے کے لیے رکی نہیں رہیں گی کہ پہلے آپ کروڑ دو کروڑ افراد کو اس طوفان سے کہیں باہر رکھ کر اچھی طرح تیار کرلیں۔ اور ایک مختلف فکر و اخلاق کا مضبوط معاشرہ منظم کرلیں۔ آخر شیطانی قوتیں اس عرصے میں کام سے مستعفی یا معطل ہو کر تو نہیں بیٹھیں گی! وقت جتنا گزرتا جائے گا، کام اتنا ہی مشکل ہوتا جائے گا۔

سو ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زراعت کار زراعت کرتے ہوئے، معلم تعلیم دیتے ہوئے، کلرک ملازمت کرتے ہوئے، سیاست کار سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے اور "نیک آدمی" انتخابات میں حصہ لیتے ہوئے اپنی دینداری، اپنے اخلاق اور اپنے اسلامی نظریۂ حلال وحرام کے مطابق مخالف عوامل سے لڑنے کی کوشش کرے، اسی میں اس کے ایمان کا امتحان ہے۔ اسی طریقے سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اصلاح کی رفتار تیز ہو سکتی ہے، اسی صورت میں ہر نوع کے مفید کارکن تحریک اقامت دین کو مل سکتے ہیں۔ اور اسی مجاہدانہ عمل کے تسلسل کے نتیجے میں وہ حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ اسلامی نظام پورے کا پورا عملاً برپا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رِم خریدیے تو کاغذ بلحاظ تعداد کم نکلیں گے اور کسی رم کا وزن پورا نہیں ہوگا۔ نیز ایک ہی رم کے تختوں میں دبازت اور رنگت میں فرق ہوگا۔ (یہ چیز ملاوٹ کی تعریف میں داخل ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکے ۔

ہماری تمہیدی گذارش جو ایک طویل جملہ معترضہ بن گئی ، یہاں ختم ہوتی ہے ۔

انتخابات ۸۵ء کے متعلق سب سے پہلی بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے سیٹوں کی گنتی کو الگ رکھ کر اس حقیقت پر نگاہ جمائیے کہ اب تک جو سیاسی عمل جمہوری ایوانوں کے قیام تک ہمیں لے آیا ہے اس میں ہمارا کیا حصہ ہے ۔ اور ہماری پالیسی اور مرحلہ بہ مرحلہ ہمارے فیصلے اپنے آخری نتائج کے لحاظ سے کس حد تک کامیاب ثابت ہوئے ۔

دونوں مرکزی ایوانوں کے مشترکہ اجلاس اور بعد ازاں وزیر اعظم کے تقرر پر مرکزی اسمبلی کی طرف سے بالاتفاق اظہار اعتماد کے پُرمسرت لمحات کا پُرسکون طریق سے ظہور مستقبل کے لیے مبارک علامات ہیں اور اس سارے سفرِ جمہوریت میں کچھ ہمارا حصہ بھی شامل ہے ۔

ملک و قوم کے لیے ہماری طویل المیعاد خدمت یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ پر اور اپنے حلقہء اثر پر مضبوطی سے قابو رکھ کر برسوں کی جمع شدہ قوت کو مارشل لا کے ساتھ تصادم کرنے سے روکے رکھا ۔ اگر یہ قابو نہ رکھا جا سکتا تو فوجی اقتدار سے تصادم کے نتیجے میں یا تو جاری مارشل لا طوالت پکڑتا اور زیادہ سخت گیر ہو جاتا ۔ یا اُس کے اندر سے ایک اور تازہ دم مارشل لا نکل آتا ۔ نیا مارشل لا قانونِ ضرورت کے تحت لاقانونیت کا ڈنڈا تھام کر سارا سبق از سرِ نو الف با سے شروع کرتا اور زیادہ اندیشہ یہی ہو سکتا تھا کہ نئے مارشل لا کا رُخ بھی بالکل دوسری جانب ہوتا اور اس کا طرزِ معاملہ بھی مختلف ہوتا ۔ بیچ میں ہم اس قوت کو جو خدا کی طرف سے ایک امانت تھی ، مفت میں پسوا لیتے ۔ جس کے نتیجے میں وہ برسوں تک ماسوا تقدیر کا ماتم کرنے کے ، کوئی مفید خدمت انجام دینے کے قابل نہ ہوتی ۔

یہ باتیں محض خوف انگیز وساوس پر مبنی نہیں ہیں ، بلکہ عالمِ اسلام کے مختلف خطوں میں قریب کی تاریخ نے جو سبق ہمارے سامنے پھیلا دیے ہیں اُن کے حقیقت پسندانہ مطالعہ پر مبنی ہیں ۔ ان اسباق کا خلاصہ یہ ہے کہ فوجی حکومتوں سے لڑ بھڑ کر حصولِ مراد ممکن نہیں ، ان سے عدمِ تصادم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا رویہ اختیار کر کے نسبتہً بہتر نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے خواہ رفتارِ پیش قدمی کم ہی کیوں نہ رہے۔ اسی کے ساتھ ہماری نگاہ ان خطرات تک بھی تھی جو دو طرفہ سرحدوں سے اس طرح جھانک رہے تھے (اور ہیں!)، جیسے جس طرح کسی جھاڑی کے پیچھے سے کوئی ریچھ یا چیتا جھانکتا ہے۔

اصل میں چھاپہ مار طریقوں کو الگ رکھ کر پابند آئین و اخلاق تحریکوں یا کم سے کم باقاعدہ منظم سیاسی جماعتوں کے لیے ماسوا جمہوری جدوجہد کے اور کوئی راستہ ہی نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ مارشل لا کے تحت جب اسمبلیاں باقی نہ ہوں، سیاسی تنظیموں کو کالعدم کر دیا جا چکا ہو؟ پلیٹ فارم موجود نہ ہو، جلسوں کا انعقاد اور جلوسوں کا مارچ کرنا ممنوع ہو، پریس آزاد نہ ہو حتیٰ کہ عدلیہ تک کو ایسا مقام حاصل نہ رہے کہ وہ کسی معاملے میں حکمران قوت کی مرضی کے خلاف فیصلے دے سکے تو پھر کسی مؤثر تصادمی جدوجہد کا نقشہ بنا کر اٹھ کھڑے ہونے کی جرأت کوئی ذی شعور تحریک یا جماعت تو نہیں کر سکتی۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی تنہا آدمی کسی مست ہاتھی سے ٹکر لینے کے لیے نکل کھڑا ہو۔

لوگ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مرحلہ بہ مرحلہ پیش آنے والے واقعات نے کیسا کیسا دباؤ ہم پر ڈالا کہ ہم اپنے موقف کو بدل لیں۔ باہر سے بھی اور اندر سے بھی ہمیں کہا جاتا تھا کہ فلاں فلاں وجوہ سے ایک غلط کار قرار پانے والی حکومت کی سخت مخالفت کرنا شرعاً بھی اور اپنے نظریات و روایات کے لحاظ سے بھی اشد ضروری ہے۔ اسی طرح باہر سے بھی اور اندر سے بھی ہمیں یہ احساس دلایا جاتا کہ جماعتِ اسلامی حکومت سے تعاون کر رہی ہے اور اس کی بی ٹیم کی حیثیت میں ہے۔[1] اس وجہ سے بعد میں خراب نتائج بھگتنے ہوں گے۔ چنانچہ اکا دکا آوازیں اب بھی

---

[1] کاش کہ ان اوراق میں اتنی گنجائش ہوتی کہ قائد تحریک کے وہ خطوط اور بیانات اور ان کے مشیروں کی وہ قراردادیں یہاں پیش کی جا سکتیں، جن میں حکومت اور اس کے نظریات اور اس کی کارروائیوں نیز اس کی کوتاہ کاریوں اور غلط کارروائیوں میں اتنی سخت اور واشگاف تنقید کی گئی ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے فرد یا گروہ نے کی ہوگی۔ نیز بار بار یہ واضح کیا جاتا رہا کہ ہم اچھے فیصلوں یا اقدامات کو اچھا بھی کہیں گے اور غلط فیصلوں اور کاموں کی غلطیوں پر گرفت بھی کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی گنجائش دیتی ہیں کہ جماعت کو حسبِ دل خواہ سیٹیں اس لیے نہیں مل سکیں کہ اس کو حکومت کا حامی سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی مخصوص صورت ایسی اختیار نہیں کی گئی کہ لوگوں کا یہ تاثر ختم ہو جاتا۔ گذشتہ دورِ آزمائش میں ایک رجحان یہ بھی چلتا رہا کہ حمایتِ حکومت کے الزام کو رفع کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ مارشل لا حکومت کے خلاف منافرت انگیزی کے کچھ نہ کچھ تصادمی انداز اختیار کیے جائیں۔

بہرحال ہم نے اپنی پالیسی جس ہدفِ مقصود کو سامنے رکھ کر بنائی اور ایک مباحثہ نہایت مشکلوں سے نبھائی وہ یہ تھا کہ کسی طرح مارشل لا سے پُرامن طور پر اقتدار منتخب جمہوری ایوانوں کی طرف منتقل ہو جائے اور بیچ میں وہ طاقتیں کوئی خلل نہ پیدا کر سکیں جنہوں نے دو مختلف مرحلوں پر تخریبی کارروائیوں اور محاذ آرائی کے طریقے اختیار کر کے یہ چاہا تھا کہ انتقالِ اقتدار کا مرحلہ پُرامن طور پر طے نہ ہو سکے بلکہ بحرانی حالات پیدا کر کے مارشل لا کا صرف چہرہ بدلوا کر اسی کے ذریعہ قوم کو خود ہانکا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے منفی رجحانات کو مکمل طور پر شکست ہوئی۔

پھر وہ ایک نازک موڑ تھا جب کہ ریفرنڈم کے متعلق رائے قائم کرنے کی ذمہ داری ہمارے سر عاید ہوئی۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نے اس وقت اس معنی میں صحیح فیصلہ کیا کہ درِ جمہوریت کھلنے کی کلید قوم کو مل سکے[1] اس وقت کی فضا ہماری نگاہ میں ہے کہ نہ صرف

---

[1] بعض سیاسی دانشور جو پہلے ریفرنڈم کی مخالفت کر رہے تھے اور بعد میں ریفرنڈم کو ایک ڈھونگ ثابت کرنے میں مصروف تھے (اور اب تک یہ مشغلہ جاری ہے)۔ ہمارے اس نقطہ نظر کو سمجھ نہ سکے کہ ریفرنڈم اصل مقصود تھا ہی نہیں، مطلوب تو انتخابات کا انعقاد اور اسمبلیوں کا قیام (اتنا کچھ عملاً ہو چکا ہے) اور مارشل لا کا خاتمہ تھا (جو فی الوقت باقی ہے)۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے انڈے کے وجود میں اصل قدر و قیمت چھلکے کی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس شے کی ہوتی ہے جو چھلکے کے اندر محفوظ ہوتی ہے۔ اصل شے کے حصول کے بعد چھلکا ٹوٹ پھوٹ کر کوڑے کا حصہ بن جاتا ہے۔ اب جو حضرات ریفرنڈم ہی کے قضیے میں الجھے ہوئے ہیں (باقی برصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخباری حلقوں بلکہ سیاست سے تعلق رکھنے والے بعض مذہبی حلقوں میں بھی محسوس کیا گیا کہ جماعتِ اسلامی بازی لے گئی۔ ہمارا فیصلہ وہ واحد فیصلہ تھا جس پر حکومت کی نگاہیں بھی مرتکز تھیں اور عوام کی توجہات بھی منعطف تھیں۔ کسی کے لیے یہ پیش قیاسی کرنا ممکن نہ تھا کہ کیا فیصلہ ہونے والا ہے اور جب فیصلہ ہو گیا تو جیسے تبدیلی کی ساری مہم میں جان پڑ گئی۔ اس وقت اگر ہم مخالفت کر کے تبدیلی کے امکانات کی فضا کو خراب کرنے والوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تو ہو سکتا ہے کہ حالات کا دھارا کسی اور طرف بہہ نکلتا۔ خود ہم نہ ادھر کے رہتے نہ اُدھر کے۔ نہ حکومت کے ساتھ چلنے والے عناصر ہمارے قریب آسکتے اور نہ ہم مخالف عناصر کا ساتھ دے سکتے۔ اِس فیصلے کے بعد انتقالِ اقتدار کے مجوزہ عمل کی مخالفت کرنے والے لوگ جامد، اور غیر مؤثر بائیکاٹ سے زیادہ کچھ نہ کر سکے۔

پھر مختلف حلقوں کی طرف سے اُٹھائے جانے والے ہزار قسم کے شکوک و شبہات اور اندیشوں کے باوجود ہم نے انتخابات میں حصہ لے کر عوام میں اس رَو کو تیز تر کیا کہ انتخابات جیسے بھی ہو رہے ہیں اور دستوری نظام کی جو بھی شکل بنتی نظر آتی ہے، اس کے باوجود آگے بڑھا جائے، کیوں کہ عوامی نمائندوں سے تشکیل پانے والے ایوانوں میں اتنی قوت ہوگی کہ وہ نقشۂ احوال کو بدل سکیں۔ یہ فیصلہ عوامی رجحانات کے ساتھ اتنا ہم آہنگ تھا کہ اُمیدواروں کی بھی قطاریں لگ گئیں اور ووٹر بھی ہجوم در ہجوم نکل کھڑے ہوئے بلکہ بات یوں "تیری جوانی" تک پہنچی کہ بائیکاٹ کرنے والی پارٹیوں کے نمایاں اور غیر نمایاں اصحاب بھی کثیر تعداد میں ضبط و نظم کی زنجیریں توڑ کر انتخابات کے سیاسی رقص میں اس طرح شامل ہو گئے جیسے مولانا روم کی حکایت کا دیہاتی اپنا گدھا کھو کر نادانی کے عالم میں اس بول پر ناچ رہا تھا کہ "خر برفت و خر برفت و خر برفت"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی کہ اب جبکہ جمہوری ایوان قائم ہو چکے ہیں، ریفرنڈم کا موضوع ہی ختم ہو چکا ہے۔ اصل مطلوب تو تھا ہی جمہوری ایوانوں کا قیام، تاکہ وہ مارشل لا کو حسن و خوبی سے رخصت کر سکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس رحمتِ ربّی پر ہمیں بہت مسرت ہے کہ بغیر اس کے کہ انتخابات میں کوئی تخریبی کارروائی ہوسکی ہو، اور بغیر اس کے کہ عوام میں بائیکاٹ کا واضح رجحان پیدا کیا جاسکا ہو، اور بغیر اس کے کہ صدر کی حلف برداری، وزیراعظم کے تقرر اور اس پر اظہارِ اعتماد کے مرحلوں میں کوئی بحران انگیز لہر اُبھر سکی ہو، آج جمہوریت کی گاڑی آغازِ سفر کرچکی ہے۔[1]

لوگوں کے یہ اندیشہ ہائے دُور و دراز بھی غلط ثابت ہوئے کہ حکومت لسٹ بنا کر اپنی پسند کے افراد کو کامیاب کرائے گی اور جو امیدوار خارج از فہرست ہوں گے ان کو ناکام کرادے گی۔ یعنی سب کچھ ایک ڈرامہ ہوگا۔ حکومت کے پسندیدہ وزراء اور فوجی افسران کی اچھی خاصی تعداد شکست کھا گئی۔ بعض ایسے ایسے امیدوار کامیاب ہوئے کہ جن کا انتخابی مہم کے دوران میں بھی کسی کو امکان نظر نہ آتا تھا ــــ دولت ضرور استعمال ہوئی ــــ بدعنوانیاں بھی ہوئیں، مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انتخابی عمل کی ڈور کا سرا حکومت کے ہاتھ میں تھا۔

آج ہم اپنی ٹھنڈی پالیسی اور اپنے متوازن فیصلوں پر اس لیے خوشی محسوس کررہے ہیں کہ ہم نے صدقِ دل سے جس صورت کو ملک کی مفید خدمت سمجھا تھا وہ عمل میں آگئی۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ہمیں ایک بھی سیٹ نہ ملی ہوتی تو بھی وسیع معنوں میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو کامیابی عطا فرمائی ہے اس کے لیے ہم اس کے شکرگذار ہیں۔

اب بڑا مرحلہ طے ہوجانے کے بعد جس خوشگوار رابطے سے صدارت و وزارت کے دَور کا آغاز ہوا ہے، اس کے پیشِ نظر ہمیں یقین ہے کہ وہ وقت دُور نہیں جب کہ بنیادی حقوق قوم کو واپس مل جائیں گے، عدلیہ کا وقار و اختیار پوری طرح بحال ہوجائے گا۔ پریس پر سے ناروا پابندیاں ہٹ جائیں گی، سیاسی جماعتیں بحال ہوجائیں گی۔ اور مارشل لا اندیشوں کے

[1] ہمیں یہ اندازہ ہے کہ پس پردہ کچھ ایسی قوتیں دم سادھے موجود ہیں کہ حالات اگر ذرا بھی گنجائش دیں تو وہ اب تک کے قیمتی حاصلِ مساعی کو پل میں ملیامیٹ کرکے پاکستان کو تاریک گڑھے میں دھکیل سکتی ہیں۔ مگر اُمید ہے کہ خدا انہیں ایسی ہمت نہیں دے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحالت جلد اٹھا لیا جائے گا۔ صدر اور وزیر اعظم کے توازنِ اختیارات کا معاملہ بھی ترمیمات کے قیود سے نکل کر عملی تعبیر و روایت کے لحاظ سے زیادہ معتدل شکل میں سامنے آئے گا۔ اور اس معتدل شکل کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ترامیم میں بھی ایوان ضروری ترامیم کر سکے گا۔ یہ چیزیں کسی بحرانی صورتِ حالات سے بچنے کے لیے ضروری ہیں اور موجودہ ملکی حالات میں بحران سے بچنے کا جذبہ ہی توازن پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔

آئیے اب انتخابات ۸۵ء میں کالعدم جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے اصحاب کی حاصل کردہ سیٹوں کا جائزہ لیں۔ فی الحال سرسری معلومات پیشِ خدمت ہیں:۔

قومی اسمبلی میں حاصل کردہ نشستیں:

۱۔ صوبہ پنجاب سے = ۴
۲۔ صوبہ سرحد سے = ۴
۳۔ صوبہ سندھ سے = ۲
۴۔ صوبہ بلوچستان سے = ۱

میزان = ۱۱

سینیٹ میں:

۱۔ صوبہ پنجاب سے = ۱
۲۔ صوبہ سرحد سے = ۱
۳۔ صوبہ سندھ سے = ۱
۴۔ صوبہ بلوچستان سے = ۱

میزان = ۴

صوبائی اسمبلیوں کی نشستیں:

۱۔ صوبہ پنجاب سے = ۹
۲۔ صوبہ سرحد سے = ۶
۳۔ صوبہ سندھ سے = ۷
۴۔ بلوچستان سے = ۱[۱]

میزان ۲۳ - ۱ = ۲۲

کل تعداد = ۳۷

۱؎ بلوچستان سے کالعدم جماعت اسلامی کے منتخب نمائندے مولانا عبدالحق نے بیک وقت قومی اور صوبائی سیٹیں جیتی تھیں۔ بعد میں انہوں نے صوبائی سیٹ چھوڑ دی اسے منہا کر دیا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ پہلا موقع ہے کہ مرکزی اور صوبائی تمام ایوانوں میں جماعت کے نمائندے موجود ہیں اور یہ پہلا موقع ہے کہ لاہور جیسے شہر سے ہمارے دوست کامیاب ہوئے ہیں۔

ذیل میں ہم جماعت کے حق میں پڑنے والے ووٹوں کے تدریجاً بڑھتے ہوئے تناسب کا خاکہ پیش کرتے ہیں:۔

۱۹۷۰ء ۔ جملہ ملکی ووٹ = ۱۹۳۷۱۸۳

جماعت کے حاصل کردہ ووٹ = ۹۴۵۲۷۵ حاصل کردہ ووٹوں کا تناسب = ۶٪

۱۹۸۵ء (ملک تقسیم ہونے کے بعد)

جماعت کے حاصل کردہ ووٹ = ۱۱۷۰۷۲۹ حاصل کردہ ووٹوں کا تناسب = ۱۲٪

اب صوبہ وار تفصیلی نقشہ ملاحظہ فرمایئے۔

	۱۹۷۰	۱۹۷۷	۱۹۸۵
صوبہ سرحد =	۱۰۳۹۳۵	۱۳۳۳۶۲	۱۹۷۲۱۱
صوبہ پنجاب =	۵۱۵۵۳۸	۷۹۲۵۳۵	۶۸۶۵۰۶
صوبہ سندھ =	۳۲۱۴۷۱	۲۹۳۹۶۷	۲۵۵۸۲۴
صوبہ بلوچستان =	۴۳۳۱	—	۳۱۱۸۸
میزان =	۹۴۵۲۷۵	۱۲۱۹۸۶۵	۱۱۷۰۷۲۹

اب جماعت کے ارتقا کو ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ مختلف انتخابات میں حاصل شدہ سیٹیں یہ تھیں:۔

۱۹۵۱ء (پہلی بار) = قومی اسمبلی ۱ نمائندہ

۱۹۶۲ء = ۴ نمائندے (قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان سے)

۱۹۶۵ء = ۲ نمائندے (مغربی پاکستان کی اسمبلی میں)

۱۹۷۰ء = ۴ نمائندے قومی اسمبلی کے لیے مغربی پاکستان سے)

۱۹۷۷ء = ۹ نمائندے منتخب ہوئے (مگر انتخابات کالعدم قرار پائے)

۱۹۸۵ء = قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی جملہ ۲۷ نشستیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قسم کے اعداد و شمار ہمارے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ہماری قوت چونکہ برادریاں اور دولت یا جاگیریں نہیں ہیں، بلکہ اُصول و مقاصد ہیں، لہٰذا ہمارے لیے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہماری رفتارِ دعوت اور انتخابی ارتقا دونوں متوازی طور پر چل رہے ہیں یا نہیں۔ ہمارے لیے یہ بڑی ہمت افزا بات ہے کہ ہماری انتخابی اور پارلیمانی قوت ہماری دعوت کے پھیلاؤ کے تناسب سے بڑھ رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنے بنیادی دعوتی کام کی رفتار سے مطمئن نہیں ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں بڑے اور جامع پروگرام کے تحت نئی رفتار سے سرگرم عمل ہونا ہے۔

مخالفین میں سے بعض نے یہاں سے لے کر بی بی سی تک خوب شور مچایا کہ جماعت اسلامی مار کھا گئی۔ پروپیگنڈے میں وقتی طور پر بڑا زور ہوتا ہے۔ اس کے اثر سے بعض اپنوں کا ذہن بھی متاثر ہوا۔ یہ اپنے نو روایتی آدھے گلاس والے چکر میں پڑ گئے کہ صد افسوس، گلاس تو بھر نہیں سکا، حالانکہ دوسری طرف ہم لوگوں کا یہ اطمینان بخش نقطۂ نظر تھا کہ وہی گلاس جس میں پیندے کی چند بوندوں سے زیادہ کبھی کچھ نہ ہوتا تھا، الحمدللہ کہ آج آدھا بھر گیا ہے۔ مخالفین سے تو کیا تعرض، ہم اپنے افسوس کرنے والوں کے دلِ اندوہگیں کی حالت دیکھ کر افسوس کرتے ہیں۔

دراصل ہم ہی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ پارلیمنٹری دائرے میں ذمہ داری کا کتنا بھاری بوجھ ہمارے سر پر آ پڑا ہے۔ ہر اسمبلی میں اپنی ٹیم کو سنبھالنا، ان کی تربیت کرنا اور اس سطح کی قسم قسم کی مصروفیات کے لیے اُن کو تیار کرنا، اور ایوانوں سے باہر عوام میں اُن کو سرگرم عمل رکھنا، کارکنوں کی مدد ان کو بہم پہنچانا۔ اور انہیں اپنے اُصول و مقاصد، منشور اور نظم کی حدود میں رکھنا اتنا بھاری کام ہے کہ اس کے لیے ہماری بیرونی افرادی اور وسائلی قوت کی خاصی مقدار چاہیے۔

جمہوری و پارلیمانی کام کرنے والوں کے لیے تدریج ہی کا راستہ مناسب ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ پہلی ٹیمیں تیار ہوتی جاتی ہیں اور پیچھے سے نئی کمک پہنچتی رہتی ہے۔ عددیت سے زیادہ اہم پارلیمانی کام کا معیار ہوتا ہے۔ پارلیمانی امتحان میں اگر شاندار کامیابی حاصل نہ ہو تو سیٹوں کی عددیت کسی جماعت کو قوت و وقار نہیں دلوا سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس اپنی موجودہ قوتوں اور وسائل کے لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ کا کرم ہے کہ اُس نے ہمارے کندھوں پر ہماری بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا ہے۔ دوسری طرف ایسی حالت میں بھی نہیں رکھا کہ ہم ایوانِ جمہوریت میں اپنے آپ کو بے وقعت محسوس کرتے۔ سبحٰن اللہ جلیل القدسِ عظیم الاحسان!

پھیلاؤ چاہنے والی تحریک کی حیثیت سے ہمیں ایک اور بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے کارکن جن کو تعطلِ سیاست اور شکستِ نظم کے بعد ایک غیر محسوس سا جمود چمٹ گیا تھا، وہ انتخابات کا بگل بجتے ہی جب میدان میں نکلے تو پھر انہوں نے عوام میں نفوذ کی مہم اس زور سے چلائی کہ اگلی پچھلی کسر نکال دی۔ یہ سپاہیانِ تحریک اپنی دوسری مصروفیات کو سمیٹ سکیڑ کر اور آرام کو تج کر گلی گلی میں گھوم گئے اور ایک ایک دروازے پر دستک دے کر اپنے ہر حلقۂ انتخاب میں چند دن کے اندر کئی کئی ہزار شہریوں سے ملاقاتیں بھی کیں اور مقصد کی باتیں بھی کیں۔ اس "گرداوری" کے جو نتائج سامنے آئے انہوں نے کارکنوں کے حوصلے بلند کر دیئے۔ ایک تو ان کے تجربے میں یہ بات آئی کہ زیادہ تر "انتخابی" لوگوں نے اُوپر اُوپر کے گٹھ جوڑ میں اپنے آپ کو مصروف رکھا، ذرا نیچے کوئی گیا بھی تو کسی مقامی یا محلہ دار لیڈر یا زمیندار چوہدری یا کارخانہ دار یا نمبردار یا غنڈہ ٹیم کے سربراہ سے معاملہ کر لیا۔ براہ راست ووٹروں تک اور خصوصاً شہروں کے غریب محنت کاروں، چھوٹے ملازموں اور خوانچہ فروشوں تک سوائے جماعت اسلامی کے کم ہی کسی کے کارکن پہنچے۔ اور کہیں کہیں جو پہنچے وہ بھی نہ کوئی خاص پیغام رکھتے تھے، نہ نظم، نہ کردار۔ ان کی تو بس ایک ہی پکار تھی کہ ہمیں ووٹ دو، لیکن کوئی روشن قسم کی دلیل ساتھ نہ تھی کہ ووٹ کیوں دو۔ نہایت حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ ان قریہ نوردیوں اور کوچہ گردیوں میں جہاں عام لوگوں کی طرف سے اعتراف کیا گیا کہ ہمارے پاس اس طرح کوئی نہیں آیا، وہاں بڑی تعداد ایسی نکلی کہ جو جماعت کو جاننے والی تھی اور اس کے لیے اچھا تاثر رکھتی تھی۔ ان میں سے خلصے لوگوں نے ووٹ دینے کے وعدے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے اور ان کو پورا بھی کیا بلکہ کہیں کہیں تو کارکنوں کے ساتھ ہو کر کام میں لگ گئے۔ آپ ذرا جیتنے اور ہارنے والے تحریکی دوستوں کے ووٹوں کی تعدادوں کو دیکھیے، وہ ہمارے جانے پہچانے کارکنوں کی تعداد سے بیسیوں گنا زیادہ ہیں۔ برادریوں اور گروہوں کے دباؤ، مخالفانہ پروپیگنڈے کے زور اور روپے کی طاقت کے سامنے اتنی مضبوطی سے کھڑے ہونے والے شہری اگر اس تناسب میں موجود ہیں تو پارلیمانی دائرے میں اسلام کا معرکہ مزید چند برس میں سر کر لے جانا کوئی مشکل نہیں۔

لیکن اس خوش آئند صورتِ حالات نے بہت بڑی ذمہ داری ہم پر ڈال دی ہے اور وہ یہ کہ جو رابطے ہم نے انتخابی مہم میں پیدا کئے ہیں، ان کو برقرار رکھیں اور اچھے لوگوں کی جو تعداد سامنے آئی ہے اُسے سمیٹیں۔ اس غرض کے لیے قریہ نوردیوں اور کوچہ گردیوں کا جو سلسلہ ہمارے بنیادی طریق کار کا جزو تھا اور جسے ہم نے مدت بعد تازہ کیا ہے۔ اسے مسلسل آگے بڑھانے کی منصوبہ بندی کریں۔

ورنہ ہمارا حال اس کسان کا سا ہوگا جو جان مار کر لمبے چوڑے کھیت میں ہل چلائے، پھر بیج کا "چھینٹا" دے۔ اور پھر بھول بھلا کر کئی برس تک اُدھر کا رُخ نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ زمین فصل دینے کے بجائے مُردہ ہو جائے گی۔ اپنے کاتے ہوئے سوت کے لچھے بنانے کے بجائے اسے جھیر جھیر کر دینا عقل و دانش کی راہ نہیں۔

اور مزید برآں ہمارے لیے ایک خوشگوار تبدیلی یہ ہے کہ "اسلام اسلام" کی جو پکار کئی سال سے جاری رہی ہے، پھر ریفرنڈم کے موقع پر پبلک نے جس شان سے تحریک پاکستان کے دَور کے جذبات کا اظہار کیا ہے اور پھر خود انتخابات ۸۵ء کے دوران میں ہر اُٹھنے والے نے (خواہ وہ کسی طبقے اور سطح سے تعلق رکھتا ہو) ووٹروں کے سامنے نفاذِ اسلام کے وعدے کیے ہیں۔ اِن کی وجہ سے نئی اسمبلیوں میں اچھا خاصا عنصر سچے اسلامی جذبات کے ساتھ آیا ہے اور بقیہ لوگ بھی کم سے کم ظاہر کی حد تک اسلامیت کے حق میں ہیں (یا صریحاً مخالفِ دین نہیں ہیں) ان منتخب افراد میں اگر محبت و حکمت سے کام کیا جائے تو معتدبہ قوت غلبۂ اسلام کی کوششوں کے پلڑے میں اپنا وزن ڈال سکتی ہے۔

(باقی بر صفحہ ۵۱)

© rasailojaraid.com